بچّوں کا ادب
بارہ کہانیاں
ڈاکٹر جمیل جالبی

بارہ کہانیاں

(بچّوں اور بڑوں دونوں کے لیے)

ڈاکٹر جمیل جالبی

ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی ۶

BARA KAHANIYAN

by

Dr. Jameel Jalibi

Year of Edition 2013

Price Rs.

نام کتاب	:	بارہ کہانیاں
مصنف	:	ڈاکٹر جمیل جالبی
سنِ اشاعت	:	۲۰۱۳ء
قیمت	:	۲۰ روپے
مطبع	:	عفیف پرنٹرس، دہلی۔٦

Published by

EDUCATIONAL PUBLISHING HOUSE

3108,Vakil Street, Kucha Pandit, Lal Kuan, Delhi-6(INDIA)

Ph : 23216162, 23214465, Fax : 0091-11-23211540

E-mail: info@ephbooks.com,ephdelhi@yahoo.com

website: www.ephbooks.com

HaSnain Sialvi

فہرست

پڑھنے والوں سے

یہ وہ کہانیاں ہیں جو مَیں نے بچپن میں سُنی یا پڑھی تھیں ۔ میں چاہتا ہوں کہ موجودہ اور آنے والی نسلیں بھی اِن کہانیوں کو پڑھ کر اپنے ذہن کو تروتازہ کریں ۔

اِن کہانیوں کو میں نے اس طرح لکھا ہے کہ بچّے اور بڑے یکساں دلچسپی کے ساتھ، انھیں پڑھ سکیں اور دونوں کے لیے ان کے معنی الگ الگ ہوں۔ بچّوں سے یہ کہانیاں اُن کی ذہنی سطح کے مطابق، مکالمہ کریں۔ اور بڑوں سے یہ کہانیاں ان کی زندگی کے اپنے تجربوں اور ذہنی سطح کے مطابق، مکالمہ کریں جب یہ کہانیاں پہلی بار، ہر مہینے، بچّوں کے رسالے ہمدرد نونہال میں شائع ہوئیں تو بچّوں کے تاثرات اُن سے مختلف تھے جو بڑوں کے رسالے علامت کے قارئین نے مجھے بھیجے۔ اسی طرح کے تاثرات اس وقت مجھے پہنچے جب اِن میں سے کچھ کہانیاں میں نے ایک ایسے جلسے میں پڑھ کر سُنائیں جہاں بیس پچیس سال کی عمر سے لے کر ستّر اسّی سال کی عمر تک کے لوگ موجود تھے۔ سب نے ان کہانیوں کو گہری دلچسپی سے سُنا اور تالیوں کی گونج میں فرمائش کی کہ ایسی ہی اور کہانیاں میں اُنھیں سُناؤں۔

یہ وہ سدا بہار کہانیاں ہیں جو، ہر دور، ہر زمانے میں، آج بھی اور کل بھی دلچسپی سے سُنی اور پڑھی جاتی ہیں۔

——— ڈاکٹر جمیل جالبی

اپنی مدد آپ

ایک چڑیا نے گیہوں کے کھیت میں گھونسلا بنایا اور جب انڈوں سے بچّے نکلے تو کھیت بھی پکنے کے قریب تھا۔ ایک دن جب وہ دانے دُنکے کی تلاش میں جانے لگی تو اس نے بچّوں سے کہا، "میرے پیچھے اگر کھیت کا مالک یا اس کے گھر والے آئیں تو اُن کی باتیں غور سے سُن کر مجھے بتانا کہ وہ کیا باتیں کر رہے تھے۔"

اس کے جاتے کے ذرا دیر بعد کھیت کا مالک آیا اور اپنے بیٹے سے کہا "میں سمجھتا ہُوں کہ کھیت پک چُکا ہے۔ کل صُبح ہی صُبح اپنے دوستوں کے

پاس جاؤ اور اُن سے کہو کہ کھیت کاٹنے میں ہماری مدد کریں۔"

جب چڑیا اپنے گھونسلے پر آئی تو بچے پَر پھیلا کر اور چیں چیں کر کے اس کے آس پاس پھرنے لگے اور جو سُنا تھا وہ کہہ سُنایا اور بولے "اے ماں! ہمیں جلدی یہاں سے لے چل۔"

ماں نے کہا "اے بچّو! خاطر جمع رکھو۔ گھبرانے کی کوئی بات نہیں ہے۔ یاد رکھو جو کھیت کا مالک اپنے پڑوسیوں اور دوستوں پر بھروسا کرتا ہے، اس کا کھیت نہیں کٹتا۔ مجھے یقین ہے یہ کھیت کل نہیں کٹے گا۔"

دوسرے روز چڑیا پھر باہر گئی اور چلتے ہُوئے کہتی گئی۔ "اے بچّو! کھیت کے مالک کی باتیں غور سے سُن کر مجھے بتانا۔" کچھ دیر بعد کھیت کا مالک آیا اور بہت دیر تک پڑوسیوں اور دوستوں کا رستہ دیکھتا رہا لیکن وہاں کوئی بھی نہیں آیا۔ جب دھُوپ تیز ہو گئی تو اپنے بیٹے سے کہا۔ "ان دوستوں اور پڑوسیوں کا کوئی بھروسہ نہیں۔ بہتر ہے کہ اب تم اپنے چچا زاد بھائیوں سے کہو کہ کل صبح ہی صبح کھیت کاٹنے میں ہمارا ہاتھ بٹائیں۔"

یہ بات سُن کر چڑیا کے بچّے بہت ڈرے اور جیسے ہی اُن کی ماں آئی تو پَر پھیلا کر، چیں چیں کر کے اُس سے کہا کہ آج یہ بات ہُوئی ہے۔

یہ سُن کر چڑیا نے کہا "اے بچّو! خاطر جمع رکھو۔ گھبرانے کی کوئی بات

نہیں ہے۔ مجھے بھروسا نہیں یہ رشتے دار اس کے کام آئیں۔"

اگلے دن جب چڑیا دانے دُنکے کی تلاش میں پھر جانے لگی تو اس نے کہا "اے بچّو! کھیت کے مالک کی باتیں غور سے سُن کر مجھے بتانا۔" یہ کہہ کر وہ چلی گئی۔ کچھ دیر بعد کھیت کا مالک وہاں آیا اور بہت دیر تک اپنے بھائی بھتیجوں کا انتظار کرتا رہا لیکن وہاں کوئی بھی نہیں آیا۔ جب دھُوپ تیز ہوگئی تو اس نے اپنے بیٹے سے کہا "اے بیٹے! دیکھا ہماری مدد کو کوئی بھی نہیں آیا۔ اب تم دو دَرانتیاں تیز کر کے تیّار رکھو۔ کل ہم اپنا کھیت خود ہی کاٹیں گے۔"

یہ سُن کر چڑیا کے بچّے بہت ڈرے اور جیسے ہی اُن کی ماں آئی تو پَر پھیلا کر چیں چیں کر کے اپنی ماں کو سارا ماجرا کہہ سُنایا۔

یہ باتیں سُن کر چڑیا نے کہا: "اے بچّو! اب ہمیں یہاں سے ضرور چلے جانا چاہیئے۔ یقین ہے کہ یہ کھیت اب کل ضُرور کٹ جائے گا۔ جو آدمی اپنا کام آپ کرنے کے لئے تیّار رہتا ہے، وہ کام ضرور انجام پاتا ہے۔" یہ کہہ کر وہ اُسی وقت اپنے بچّوں کو وہاں سے دوسری جگہ لے گئی۔

دوسرے دن صُبح ہی صُبح کھیت کا مالک آیا اور اپنے بیٹے کے ساتھ مل کر کھیت کاٹ ڈالا۔

چڑیا پہلے ہی اپنے بچّوں کو وہاں سے لے جا چکی تھی۔

دو دوست دو دشمن

گھنے جنگل میں، ایک دلدل کے قریب، برسوں سے ایک چوُہا اور ایک مینڈک رہتے تھے۔ بات چیت کے دوران ایک دِن مینڈک نے چوُہے سے کہا کہ" اس دلدل میں میرا خاندان صدیوں سے آباد ہے اور اسی لئے یہ دلدل؛ جو مجھے باپ دادا سے ملی ہے، میری میراث ہے"۔

چوُہا اس بات پر چِڑ گیا۔ اُس نے کہا کہ "میرا خاندان بھی یہاں سینکڑوں سال سے آباد ہے اور مجھے بھی یہ جگہ اپنے باپ دادا ہی سے مِلی ہے اور یہ میری میراث ہے"۔

یہ سُن کر مینڈک غُصّے میں آگیا اور تُو تُو مَیں مَیں شروع ہو گئی۔ بات اتنی بڑھی کہ اُن کی دوستی میں فرق آگیا اور دونوں نے ایک دوسرے سے بولنا چھوڑ دیا۔

ایک دن چوُہا وہاں سے گزرا تو مینڈک نے اس پر آوازے کسے جو چوُہے کو بہت بُرے لگے۔ اس کے بعد سے چوُہے نے یہ کیا کہ وہ
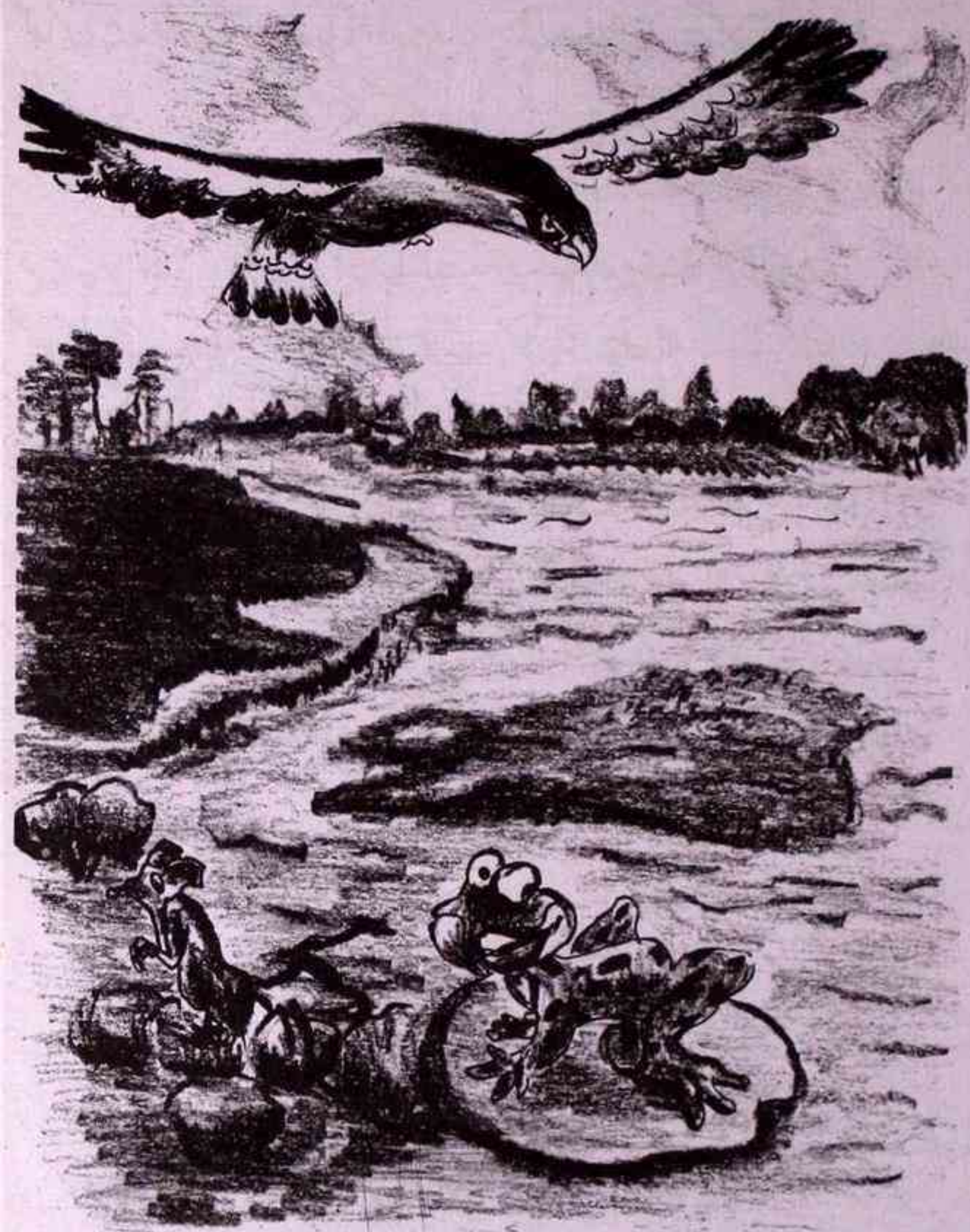
گھاس میں چھُپ کر بیٹھ جاتا اور جب مینڈک وہاں سے گزرتا تو اُس پر حملہ کر دیتا۔

آخر تنگ آکر ایک دِن مینڈک نے کہا کہ "اے چوُہے! تو چوروں کی طرح یہ کیا چھُپ چھُپ کر حملہ کرتا ہے۔ مرد ہے تو سامنے میدان میں آ، تاکہ کھل کر مقابلہ ہو اور تجھے میری قوّت کا پتا چلے۔"

چوُہے نے یہ بات قبول کر لی اور دُوسرے دن صبُح ہی صبُح مقابلے کا وقت مقرر ہُوا۔ مقررّہ وقت پر ایک طرف سے چوُہا نکلا۔ اس کے ہاتھ میں نرسل کے پَودے کا ایک لمبا سا تنِکا تھا۔ دوسری طرف سے مینڈک آگے بڑھا۔ اس کے ہاتھ میں بھی ایسا ہی ایک تنِکا تھا۔ دونوں نے ایک دوسرے پر زبردست حملہ کیا اور پھر —— ذرا سی دیر میں دونوں گتھّم گتھّا ہو گئے۔

ابھی یہ لڑائی جاری تھی کہ دُور ہوا میں اُڑتی ہُوئی ایک چیل نے دیکھا کہ ایک چوُہا اور ایک مینڈک آپس میں گتھّم گتھّا ہو رہے ہیں۔ وہ تیزی سے اُڑتی ہُوئی نیچے آئی اور ایک جھپٹّے میں دونوں پہلوانوں کو اپنے تیز نوکیلے پنجوں میں دبا کر لے گئی۔

اب وہاں چوُہا رہا نہ مینڈک۔ دلدل اب بھی موجُود ہے۔

ایک چیل کی کہانی

بچّو! یہ اُس چیل کی کہانی ہے جو کئی دن سے ایک بڑے سے کبُوتر خانے کے چاروں طرف منڈلا رہی تھی اور تاک میں تھی کہ اُڑتے کبُوتر پر جھپٹّا مارے اور اُسے لے جائے، لیکن کبُوتر بھی بہت پھُرتیلے، ہوشیار اور تیز اُڑان تھے۔ جب بھی وہ کسی کو پکڑنے کی کوشش کرتی وہ پھُرتی سے بچ کر نکل جاتا۔ چیل بہت پریشان تھی کہ کیا کرے اور کیا نہ کرے۔

آخر اس نے سوچا کہ کبوتر تو بہت چالاک، پھُرتیلے اور تیز اُڑان ہیں۔ کوئی اور چال چلنی چاہیئے۔ کوئی ایسی ترکیب کرنی چاہیئے کہ وہ آسانی سے اس کا شکار ہو سکیں۔

چیل کئی دن تک سوچتی رہی۔ آخر کار اس کی سمجھ میں ایک ترکیب آئی۔ وہ کبوتروں کے پاس گئی۔ کچھ دیر اسی طرح بیٹھی رہی اور پھر پیار سے بولی "بھائیو اور بہنو! میں بھی تمھاری طرح دو پیروں
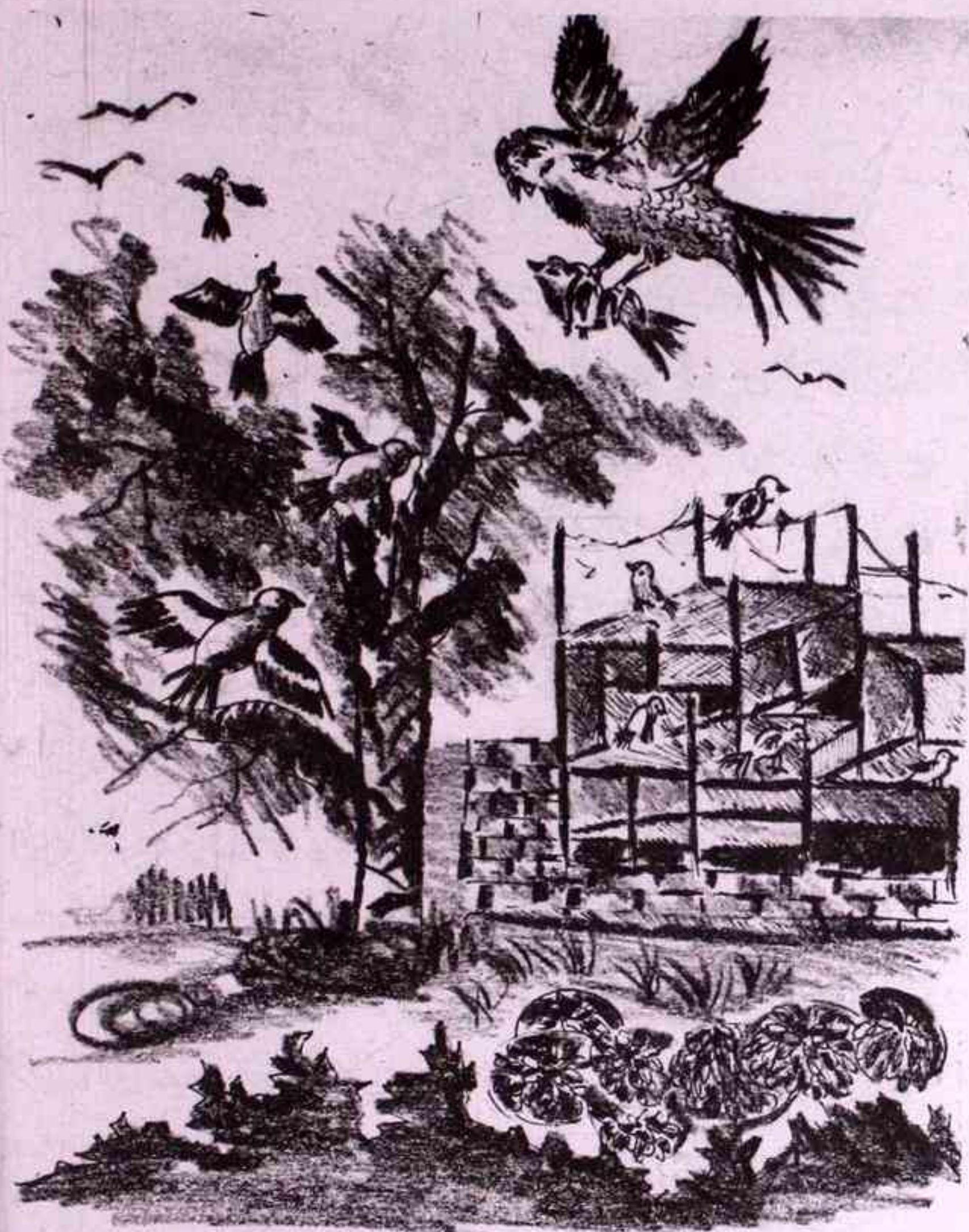
اور دو پَروں والا پرندہ ہُوں۔ تم بھی آسمان پر اُڑ سکتے ہو۔ میں بھی آسمان پر اُڑ سکتی ہوں۔ فرق یہ ہے کہ میں بڑی ہُوں اور تم چھوٹے ہو۔ میں طاقتور ہُوں اور تم میرے مقابلے میں کمزور ہو —— مَیں دوسروں کا شکار کر سکتی ہُوں تم نہیں کر سکتے۔ مَیں بِلّی کو حملہ کر کے زخمی کر سکتی ہُوں اور اسے اپنی نوکیلی چونچ اور تیز پنجوں سے مار بھی سکتی ہوں۔ تم یہ نہیں کر سکتے۔ تم ہر وقت دشمن کی زَد پر رہتے ہو۔ مَیں چاہتی ہُوں کہ پوری طرح تمھاری حفاظت کروں تاکہ تم ہنسی خوشی، آرام اور اطمینان کے ساتھ اسی طرح رہ سکو جس طرح پہلے زمانے میں رہتے تھے۔ آزادی تمھارا پیدائشی حق ہے اور آزادی کی حفاظت میرا فرض ہے۔ میں تمھارے لئے ہر وقت پریشان رہتی ہُوں۔ تم ہر وقت باہر کے خطرے سے ڈرے سہمے رہتے ہو۔ مجھُے افسوس اِس بات پر ہے کہ تم سب مجھُ سے ڈرتے ہو۔ بھائیو اور بہنو! میں ظلم کے خلاف ہُوں۔ اِنصاف اور بھائی چارے کی حامی ہُوں۔ مَیں چاہتی ہُوں کہ انصاف کی حکومت قائم ہو۔ دشمن کا مُنہ پھیر دیا جائے اور تم سب ہر خوف سے آزاد، اطمینان اور سکون کی زِندگی بسر کر سکو۔ مَیں چاہتی ہُوں کہ تمھارے اور میرے درمیان ایک سمجھوتا ہو —— ہم سب عہد کریں کہ ہم سب مِل کر

امن کے ساتھ رہیں گے۔ مِل کر دشمن کا مُقابلہ کریں گے اور آزادی کی زِندگی بسر کریں گے۔ لیکن یہ اُسی وقت ہو سکتا ہے کہ تم دل و جان سے مجھے اپنا بادشاہ مان لو۔ جب تم مجھے اپنا بادشاہ مان لو گے اور مجھے شاہی حقوق اور پُورا اختیار دے دو گے تو پھر تمہاری حفاظت اور تمہاری آزادی پُوری طرح میری ذمہ داری ہوگی۔ تم ابھی سمجھ نہیں سکتے کہ پھر تم کتنے آزاد اور کتنے خوش و خرّم رہو گے۔ اسی کے ساتھ آزادی، چَین اور سکُون کی نئی زِندگی شرُوع ہو گی۔"

چیل روز وہاں آتی اور بار بار بڑے پیار اور محبّت سے اِن باتوں کو طرح طرح سے دُہراتی۔ رفتہ رفتہ کبُوتر اُس کی اچھّی اور میٹھی میٹھی باتوں پر یقین کرنے لگے۔

ایک دِن کبُوتروں نے آپس میں بہت دیر مشورہ کیا اور طے کر کے اُسے اپنا بادشاہ مان لیا۔ اس کے دو دن بعد تخت نشینی کی بڑی شاندار تقریب ہُوئی۔ چیل نے بڑی شان سے حلف اُٹھایا اور سب کبُوتروں کی آزادی، حفاظت اور ہر ایک سے انصاف کی قسم کھائی۔ جواب میں کبُوتروں نے پُوری طرح حُکم ماننے اور بادشاہ چیل سے پُوری طرح وفادار رہنے کی دل سے قسم کھائی۔

بچّو! پھر یہ ہوا کہ کچھ دنوں تک چیل کبوتر خانے کی طرف اسی طرح آتی اور ان کی خوب دیکھ بھال کرتی رہی۔ ایک دن بادشاہ چیل نے ایک بِلّے کو وہاں دیکھا تو اس پر اپنے ساتھیوں کے ساتھ ایسا زبردست حملہ کیا کہ بِلّا ڈر کر بھاگ گیا۔ وہ اکثر اپنی میٹھی میٹھی باتوں سے کبوتروں کو لُبھاتی اور انھیں حفاظت اور آزادی کا احساس دلاتی۔

اسی طرح کچھ وقت اور گزر گیا۔ کبوتر اب بغیر ڈرے اس کے پاس چلے آتے۔ وہ سب آزادی اور حفاظت کے خیال سے بہت خوش اور مطمئن تھے۔

ایک دن صبح کے وقت جب کبوتر دانا چُگ رہے تھے، چیل اُن کے پاس آئی۔ وہ کمزور دکھائی دے رہی تھی۔ معلوم ہوتا تھا جیسے وہ بیمار ہے۔ کچھ دیر وہ چُپ چاپ بیٹھی رہی اور پھر شاہانہ آواز میں بولی: "بھائیو اور بہنو! میں تمھاری بادشاہ ہوں۔ تم نے سوچ سمجھ کر مجھے اپنا بادشاہ بنایا ہے۔ میں تمھاری حفاظت کرتی ہوں اور تم چَین اور آرام سے رہتے ہو۔ تم جانتے ہو کہ میری بھی کچھ ضرورتیں ہیں۔ یہ میرا شاہی اختیار ہے کہ جب میرا جی چاہے اپنی مرضی سے تم میں سے ایک کو پکڑوں اور اپنے پیٹ کی آگ بجھاؤں۔ میں آخر کب تک بغیر

کھائے پیے زِندہ رہ سکتی ہُوں۔ مَیں کب تک تمھاری خدمت اور تمھاری حفاظت کر سکتی ہُوں؟ یہ صِرف میرا ہی حق نہیں ہے کہ میں تم میں سے جس کو چاہوں پکڑوں اور کھا جاؤں بلکہ یہ میرے سارے شاہی خاندان کا حق ہے۔ آخر وہ بھی تو میرے ساتھ مِل کر تمھاری آزادی کی حفاظت کرتے ہیں۔ اُس دن اگر اِس بڑے سے بِلّے پر میں اور میرے خاندان والے مِل کر حملہ نہ کرتے تو وہ بِلّا نہ معلوم تم میں سے کِتنوں کو کھا جاتا اور کتنوں کو زخمی کر دیتا۔"

یہ کہہ کر بادشاہ چیل قریب آئی اور ایک موٹے سے کبُوتر کو پنجوں میں دَبوچ کر لے گئی۔ سارے کبُوتر مُنھ دیکھتے رہ گئے۔

اب بادشاہ چیل اور اس کے خاندان والے روز آتے اور اپنی پسند کے کبُوتر کو پنجوں میں دبوچ کر لے جاتے۔

اسی تباہی سے کبوتر اب ہر وقت پریشان اور خوف زدہ رہنے لگے۔ ان کا چین اور سکُون مٹ گیا۔ اُن کی آزادی ختم ہو گئی۔ وہ اب خود کو پہلے سے بھی زیادہ غیر محفوظ سمجھنے لگے اور کہنے لگے "ہماری بے وقوفی کی یہی سزا ہے۔ آخر ہم نے اسے اپنا بادشاہ ہی کیوں بنایا تھا؟ اب کیا ہو سکتا ہے؟

ایک عجیب مُعاہدہ

بچّو! یہ ایک جنگل کی کہانی ہے جس کے بڑے حصّے پر بھیڑیوں کی حکومت قائم تھی اور ایک چھوٹے سے حصّے پر بھیڑوں کی۔ دونوں میں موقع بے موقع کسی نہ کسی بات پر لڑائی ہوتی رہتی تھی۔ بھیڑیے خونخوار اور طاقت ور تھے لیکن بھیڑوں نے اپنی حفاظت کے لئے بہت سے کُتّے پال رکھے تھے۔ جب بھیڑیے ان پر حملہ کرتے تو یہ کُتّے اُن کا مقابلہ کرتے ——— اور اُن کو بھگا دیتے۔ کُتّوں کی وجہ سے بھیڑیں محفوظ تھیں۔

جب بھیڑیوں اور بھیڑوں کو آپس میں لڑتے لڑتے ایک مُدّت گزر گئی تو جنگل کے چند دوسرے بڑے جانوروں نے بیچ میں پڑ کر دونوں میں صُلح کرا دی۔ طے پایا کہ دونوں طرف سے ایسی ضمانت دی جائے کہ امن قائم رہے۔ بھیڑیوں نے تجویز پیش کی کہ وہ اپنی جان سے زیادہ عزیز بچے، ضمانت
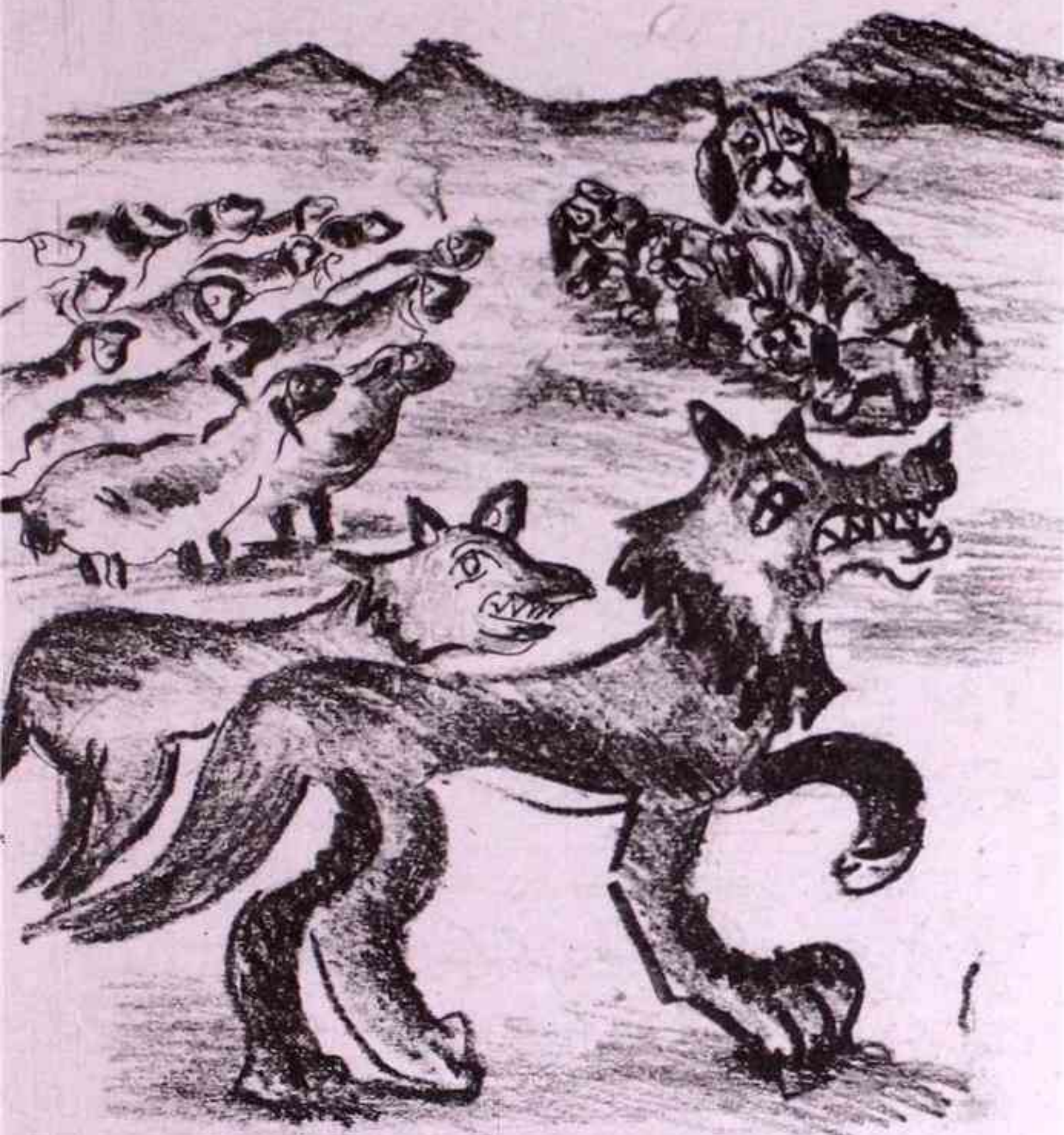
کے طور پر بھیڑوں کے سپرد کردیں گے اور بھیڑیے اپنے کُتّے ہمارے حوالے کردیں۔

یہ بات بھیڑوں کو بہت پسند آئی اور مُعاہدہ طے پاگیا۔ بھیڑوں نے اپنے کُتّے بھیڑیوں کو دے دیئے اور بھیڑیوں نے اپنے بچّے بھیڑوں کے حوالے کردیے۔

ابھی تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ بھیڑیوں کے بچّوں نے اپنی ماؤں کو یاد کرکے رونا دھونا اور چیخنا چلّانا شروع کردیا۔ ان کی آواز سن کر بھیڑیے دوڑے دوڑے آئے اور غُصّے میں بھیڑوں سے کہا کہ "تم صُلح کی خلاف ورزی کررہی ہو۔ آخر ہمارے بچّوں کو کیوں مار رہی ہو؟"

بھیڑوں نے ایک زبان ہوکر کہا "نہیں جناب! ایسا نہیں ہے۔ یہ تو خود ہی چیخ پُکار کررہے ہیں۔ انھوں نے تو ہماری نیندیں حرام کردی ہیں۔"

بھیڑیوں نے چیخ کر جواب دیا "یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ یہ تو جب ہی چیخیں چلائیں گے جب انہیں تکلیف پہنچائی جائے گی۔"

یہ کہہ کر انہوں نے فوراً مُعاہدہ توڑ دیا اور مل کر بھیڑوں پر حملہ کردیا۔ کُتّے ان کے پاس نہیں تھے کہ حفاظت کرتے۔ ذرا سی دیر میں بھیڑیے ساری بھیڑوں کو مار کر کھا گئے۔

نادانی کی سزا

شدید گرمی میں ایک شیر شکار کو نکلا ۔ چلچلاتی دھوپ میں ، تپتی ہوئی زمین پر چلنے سے ، وہ جلد ہی تھک گیا اور ایک بڑے سے سایہ دار گھنے درخت کے نیچے آرام کرنے لیٹ گیا ۔ ابھی وہ سویا ہی تھا کہ کچھ چوہے اپنے

بلوں سے باہر نکلے اور نادانی سے اُس کی پیٹھ پہ اُچھلنے کودنے لگے۔ اس سے شیر کی آنکھ کھُل گئی۔ وہ غُرّایا اور غُصّے میں آکر ایک چُوہے کو اپنے پنجے میں دَبوچ لیا۔ ابھی وہ اُسے مارنے ہی والا تھا کہ چُوہے نے نہایت عاجزی سے کہا "اے جنگل کے بادشاہ مجھ غریب پر رحم کیجیے۔ مجھ جیسے چھوٹے اور کمزور کو مارنے سے آپ کی خاندانی شرافت پر آنچ آئے گی اور سارے جنگل میں بدنامی ہو گی کہ جنگل کے بادشاہ شیر نے ایک چُوہے کو مار دیا ہے۔ یہ بات سُن کر شیر نے اس پر ترس کھایا اور ڈرتے، کانپتے چُوہے کو آزاد کر دیا۔

کچھ دن بعد وُہی شیر شکار کے لئے جنگل میں نکلا۔ ابھی شکار کی تلاش میں وہ اِدھر اُدھر پھر ہی رہا تھا کہ اچانک شکاریوں کے جال میں پھنس گیا۔ اس نے نکلنے کے لئے بہت ہاتھ پیر مارے لیکن جال سے نہ نکل سکا۔ آخر پریشان اور لاچار ہو کر وہ پُورے زور سے دھاڑا۔ جیسے ہی چوہے نے شیر کے دھاڑنے کی آواز سُنی، وہ تیزی سے وہاں پہنچا۔ دیکھا کہ وہی شیر ہے جس نے اس کی جان بخشی تھی۔ وہ شیر کے پاس گیا اور کہا "اے بادشاہ سلامت! میں آپ کا دوست ہوں۔ آپ نے میری جان بخشی تھی۔ آپ بالکل فکر مت کریں۔" یہ کہہ کر وہ جلدی جلدی اپنے

ننھے تیز دانتوں سے جال کاٹنے لگا . اور ذرا سی دیر میں جال کاٹ کر شیر کو آزاد کرا دیا۔

جب شیر آزاد ہُوا تو اس نے سوچا کہ وہ بھی اس احسان کے بدلے کوئی احسان کرے۔ یہ سوچ کر اس نے چُوہے سے کہا "اے دوست تُو نے مجھ پر بڑا احسان کیا ہے۔ جو تُو مجھ سے مانگے گا، میں دُوں گا۔ بول کیا مانگتا ہے؟" چُوہا یہ سُن کر خوشی کے مارے پھُولا نہ سمایا اور بھُول گیا کہ وہ اپنے لائق کیا مانگے اور کون سی ایسی چیز مانگے کہ شیر اُسے دے بھی سکے۔ اپنی حیثیت کو بھُول کر اس نے جلدی سے کہا "اے بادشاہ سلامت! اپنی بیٹی شہزادی کی شادی مجھ سے کر دیجیے۔

شیر زبان دے چکا تھا۔ اس نے چُوہے کی بات مان لی اور رِشتہ قبُول کر لیا۔

شادی کے دِن نوجوان شہزادی بَن ٹھَن کر نکلی اور جھُومتی جھامتی اٹھکھیلیاں کرتی ہُوئی بے فکری سے چلنے لگی۔ دُولہا چُوہا اس کے اِستقبال کے لیے سامنے کھڑا تھا کہ بے خیالی میں اتفاق سے شہزادی دُلہن کا پاؤں دُولہا چُوہے پر پڑ گیا اور وہ بے چارہ وہیں پس کر ڈھیر ہو گیا۔

سمجھ دار گدھا
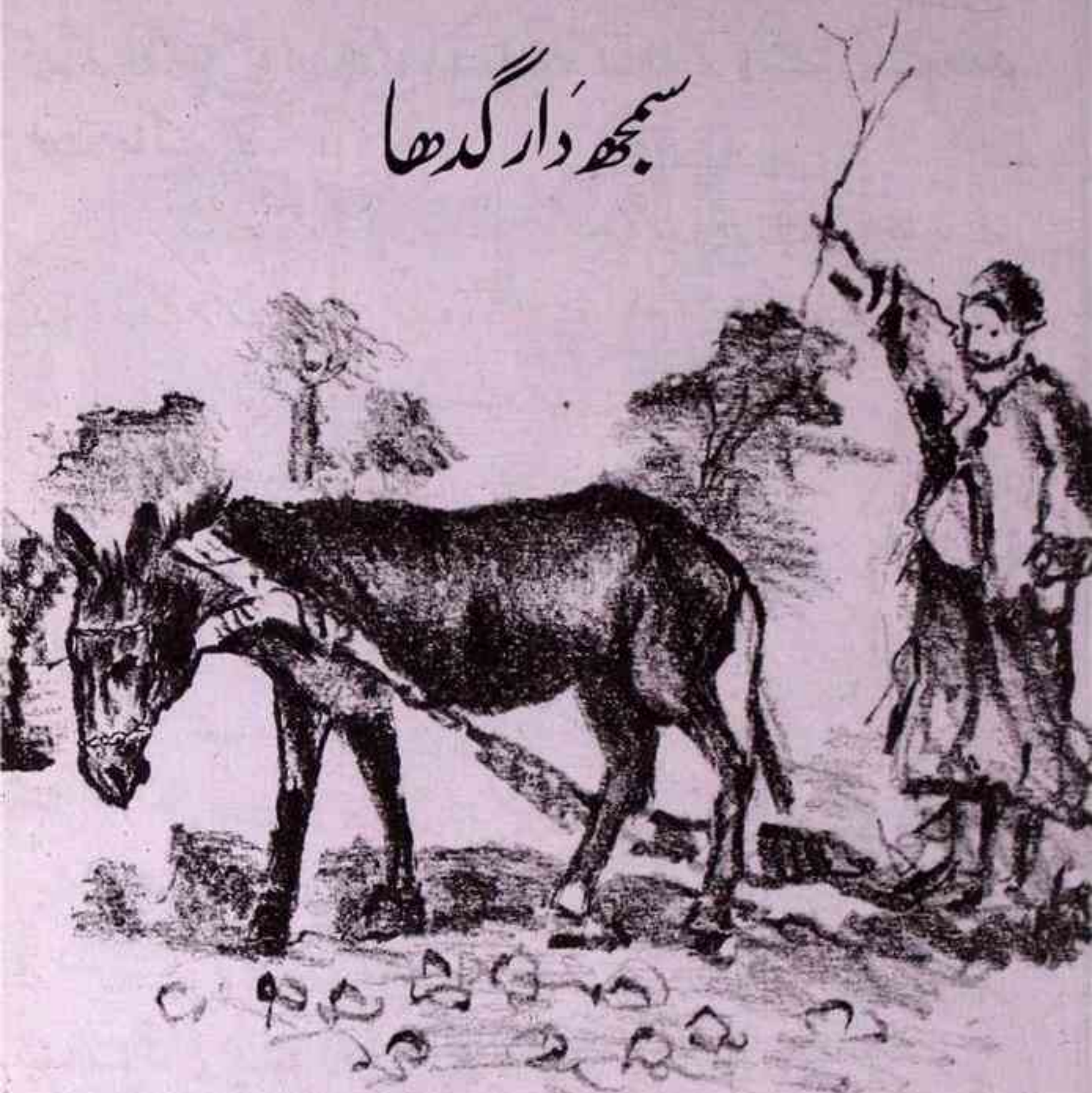
گاؤں سے باہر ہرے بھرے میدان میں ایک بوڑھا اپنے
گدھے کو چرا رہا تھا کہ اتنے میں دور سے اسے شور سنائی دیا۔ کیا
دیکھتا ہے کہ دشمن کی فوجیں تیزی سے اس طرف آرہی ہیں۔ یہ

دیکھ کر وہ گھبرا گیا اور جلدی سے اپنے گدھے کو ہانکتے ہُوئے دوسری طرف بھاگنے لگا۔

گدھے نے پُوچھا "اے مالک! کیا ماجرا ہے؟" مالک نے جواب دیا کہ دشمن ہماری طرف آرہا ہے۔ ہمیں یہاں سے فوراً بھاگ جانا چاہیئے ورنہ ہم دونوں پکڑ لیے جائیں گے۔

گدھے نے کہا:

اچھا یہ تو بتایئے: "اگر دشمن مجھے پکڑ لے تو کیا وہ مُجھ پر اس سے زیادہ بوجھ لادے گا جِتنا روز آپ مُجھ پر لادتے ہیں؟"

مالک نے جواب دیا:

"نہیں، اس بات کا تو کوئی ڈر نہیں ہے۔"

مالک کی یہ بات سُن کر گدھے نے کہا "اگر اس بات کا ڈر نہیں ہے تو پھر میں کیوں بھاگوں؟ میرے لئے کیا فرق پڑتا ہے اگر میرا مالک تُو ہو یا تیرا دشمن۔ مجھے تو بوجھ ہی ڈھونا ہے۔ وہ بوجھ تیرا ہو یا تیرے دشمن کا۔ میرے لیے تو دونوں ایک ہیں۔"

یہ کہہ کر گدھا وہیں کھڑا ہو گیا۔

قِصّہ ایک بھیڑیے کا
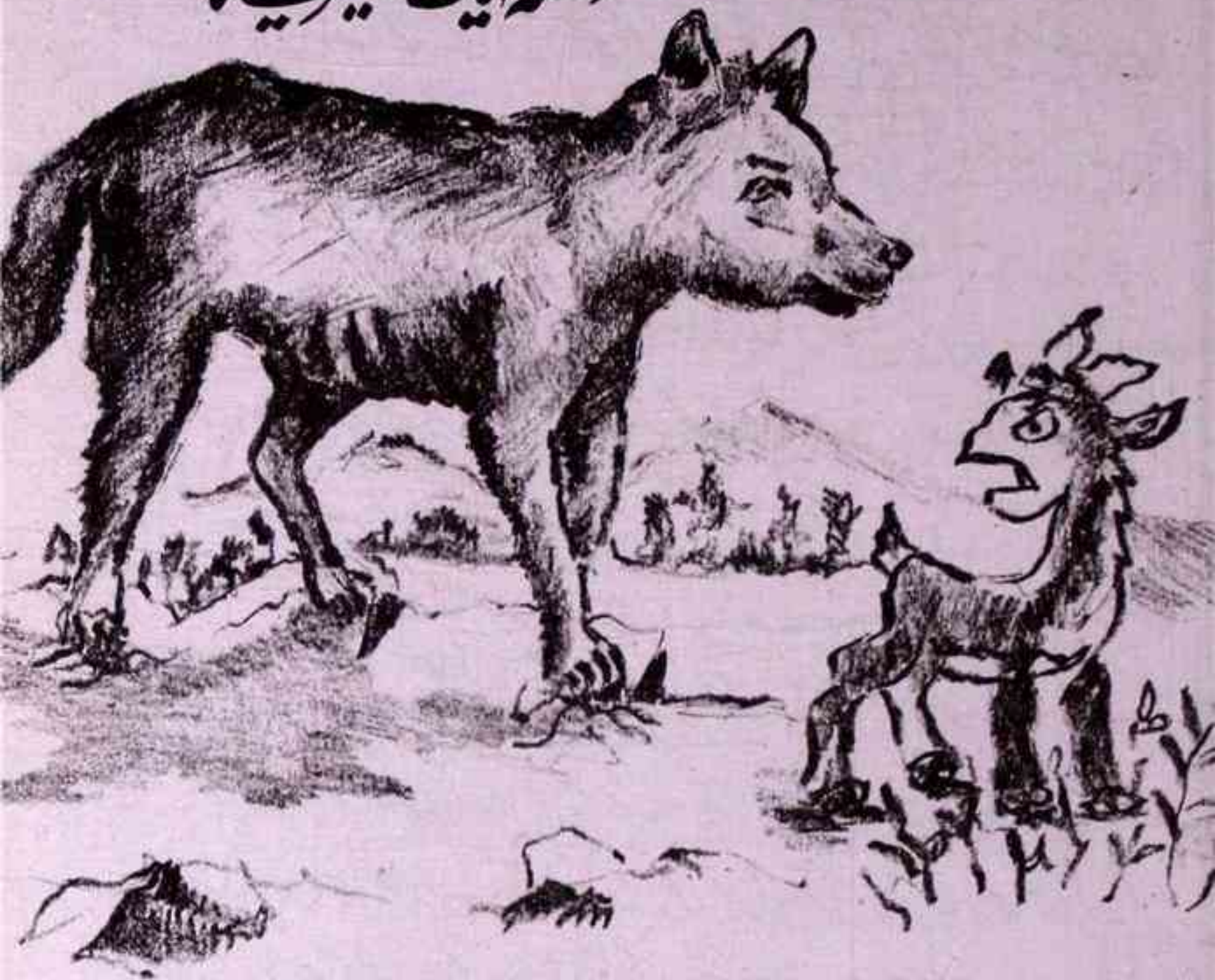
ایک دفعہ کا ذِکر ہے کہ چاندنی رات میں ایک دُبلے پتلے، سُوکھے مارے بھُوکے بھیڑیے کی ایک خُوب کھائے پیے موٹے تازے کُتّے سے مُلاقات ہُوئی۔ دُعا سلام کے بعد بھیڑیے نے اُس سے پُوچھا کہ "اے یار! تُو تو خوب موٹا تازہ دکھائی دیتا ہے۔ سچ کہتا ہوں کہ میں نے تجھ سے زیادہ موٹا تازہ جانور آج تک

نہیں دیکھا۔ بھائی یہ تو بتا کہ اس کا کیا راز ہے؟ میں تجھ سے دس گنا زیادہ محنت کرتا ہوں اور اس کے باوجود بھوکوں مرتا ہوں۔" کُتّا یہ سُن کر خوش ہُوا اور اس نے بے نیازی سے جواب دیا۔ "اے یار! اگر تُو بھی میری طرح سے کرے تو مجھے یقین ہے کہ تُو بھی میری طرح خوش رہے گا۔"

بھیڑیے نے پُوچھا "بھائی جلدی بتا، وہ کیا بات ہے؟" کُتّے نے جواب دیا "تُو بھی میری طرح رات کو گھر کی چوکیداری کر اور چوروں کو گھر میں نہ گھُسنے دے۔ بس یہی کام ہے۔"

بھیڑیے نے کہا "بھائی! میں دل و جان سے یہ کام کروں گا۔ اس وقت میری حالت بہت تنگ ہے۔ میں ہر روز کھانے کی تلاش میں سارے جنگل میں حیران و پریشان مارا مارا پھرتا ہُوں۔ بارش، پالے اور برف باری کے صدمے اٹھاتا ہُوں، پھر بھی پیٹ پُوری طرح نہیں بھرتا۔ اگر تیری طرح مجھے بھی گرم گھر رہنے کو اور پیٹ بھر کر کھانے کو ملے تو میرے لیے اس سے بہتر کیا بات ہے۔"

کُتّے نے کہا "یہ جو کچھ میں کہہ رہا ہُوں، سچ ہے۔ اب تو فکر مت کر۔ بس میرے ساتھ چلا چل۔" یہ سُن کر بھیڑیا کُتّے کے ساتھ ساتھ چل دیا۔

ابھی وہ کچھ دُور ہی گئے تھے کہ بھیڑیے کی نظر کُتّے کے گلے پر پڑے

ہُوئے اُس نشان پر پڑی جو گلے کے پٹّے سے پڑ گیا تھا۔ بھیڑیے نے پوچھا کہ :
"اے یار تیرے گلے کے چاروں طرف یہ کیا نشان ہے ؟" کُتّے نے کہا "کچھ نہیں"۔
بھیڑیے نے پھر کہا " اے یار ! بتا تو سہی یہ کیا نِشان ہے ؟" کُتّے نے دوبارہ
پوچھنے پر جواب دیا۔" اگر تُو اِصرار کرتا ہے تو سُن " میں چونکہ درندہ صفت
ہُوں۔ دن کو میرے گلے میں پٹّا ڈال کر وہ باندھ دیتے ہیں تاکہ میں سو رہوں
اور کسی کو نہ کاٹوں اور رات کو پٹّا کھول کر چھوڑ دیتے ہیں تاکہ میں چوکیداری کروں
اور جِدھر میرا دل چاہے جاؤں۔ رات کو کھانے کے بعد میرا مالک میرے لیئے
ہڈّیوں اور گوشت سے تیّار کیا ہُوا راتب میرے سامنے ڈالتا ہے اور
بچّوں سے جو ٹکڑا کھانا بچ جاتا ہے وہ سب بھی میرے سامنے ڈال دیتا ہے۔ گھر
کا ہر آدمی مجھ سے پیار کرتا ہے۔ جمع خاطر رکھ یہی سلوک، جو میرے ساتھ کیا جاتا
ہے، وہی تیرے ساتھ ہو گا۔"

یہ سُن کر بھیڑیا رُک گیا۔ کُتّے نے کہا " چلو چلو یار ! کیا سوچتے ہو؟"
بھیڑیے نے کہا " اے یار ! مجھے تو بس معاف کر۔ یہ خوشی اور آرام تجھے ہی مُبارک
ہو۔ میرے لیئے تو آزادی ہی سب سے بڑی نعمت ہے۔ جیسا تُو نے بتایا اس طرح
اگر کوئی مجھے بادشاہ بھی بنا دے تو مجھے قبول نہیں۔"

یہ کہہ کر بھیڑیا پلٹا اور تیزی سے دوڑتا ہُوا جنگل کی طرف چل دیا۔

مغرور لومڑی

ایک بلّی آبادی سے دُور ایک جنگل میں رہتی تھی۔ وہیں پاس ہی ایک لومڑی بھی رہتی تھی۔ آتے جاتے اکثر ان کی مُلاقات ایک دُوسرے سے ہو جاتی۔ ایک دن جب سورج چمک رہا تھا اور خوب دُھوپ نکلی ہوئی تھی، ایک گھنے پیڑ کے نیچے ان دونوں کی مُلاقات ہوئی۔ خاصی دیر دونوں ایک دوسرے سے باتیں کرتی رہیں۔ لومڑی نے کہا کہ " اے بی بلّی! اگر دُنیا میں سو طرح کی آفتیں

آ جائیں یا کوئی مجھ پر حملہ کردے تو مجھے کوئی فکر نہیں۔ مجھے ہزاروں گُر اور ترکیبیں یاد ہیں۔ میں ان سب مُصیبتوں سے بچ کر نکل جاؤں گی، لیکن خدانخواستہ تُو اگر کسی آفت سے دوچار ہو تو کیا کرے گی؟"

بِلّی بولی "اے بُوا! مجھے تو ایک ہی گُر اور ایک ہی ترکیب یاد ہے۔ اگر اس سے چُوک جاؤں تو ہرگز میری جان نہ بچے اور مَیں ماری جاؤں۔"

یہ سُن کر لومڑی کو بلّی پر بہت ترس آیا۔ کہنے لگی "اے بی! مجھے تیری حالت پر بہت رحم آتا ہے۔ میرا جی تو یہ چاہتا ہے کہ ان ترکیبوں میں سے دو چار تجھے بھی بتاؤں لیکن بہن زمانہ بہت خراب آگیا ہے۔ کسی پر بھروسا نہیں کیا جا سکتا۔"

ابھی وہ دونوں یہ باتیں کر ہی رہی تھیں کہ بہت قریب سے کتّوں اور شکاریوں کی آوازیں سُنائی دیں۔ آوازیں سُن کر وہ دونوں گھبرا گئیں۔ بلّی نے یہ خطرہ دیکھ کر آؤ دیکھا نہ تاؤ اپنی پُرانی ترکیب پر عمل کیا اور جھٹ سے پیڑ پر چڑھ کر اُونچی ڈالیوں میں چھُپ کر بیٹھ رہی۔ اس دوران میں کُتّے اتنے قریب آگئے کہ لومڑی اپنی کسی ترکیب پر عمل نہ کر سکی۔

ذرا سی دیر میں کُتّوں نے لومڑی کو دبوچ لیا اور اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے۔

نادان بکری

اِتفاق سے ایک لومڑی ایک کنوئیں میں گر پڑی۔ اس نے بہت

ہاتھ پیر مارے اور باہر نکلنے کی ہر طرح کوشش کی لیکن کامیاب نہیں ہُوئی۔ ابھی وہ کوشش کر ہی رہی تھی کہ اتنے میں ایک بکری پانی پینے کے لیے وہاں آ نکلی۔

بکری نے لومڑی سے پوچھا "اے بہن! یہ تو بتاؤ کہ پانی کیسا ہے؟ لومڑی نے جواب دیا "پانی بہت ہی اچھا ہے — ایسا میٹھا اور ٹھنڈا کہ میں نے اپنی زندگی میں ایسا پانی کبھی نہیں پیا۔ میں نے خود اتنا پانی پی لیا ہے کہ مجھے ڈر ہے کہیں بیمار نہ پڑ جاؤں۔ یہ سُن کر پیاسی بکری نے آؤ دیکھا نہ تاؤ، جھٹ سے کنوئیں میں کُود گئی۔

موقع غنیمت جان کر لُومڑی پھُرتی سے بکری کے سینگوں کا سہارا لے کر کنوئیں سے باہر آ گئی اور بکری — بکری وہیں رہ گئی۔

ناشکرا ہرن
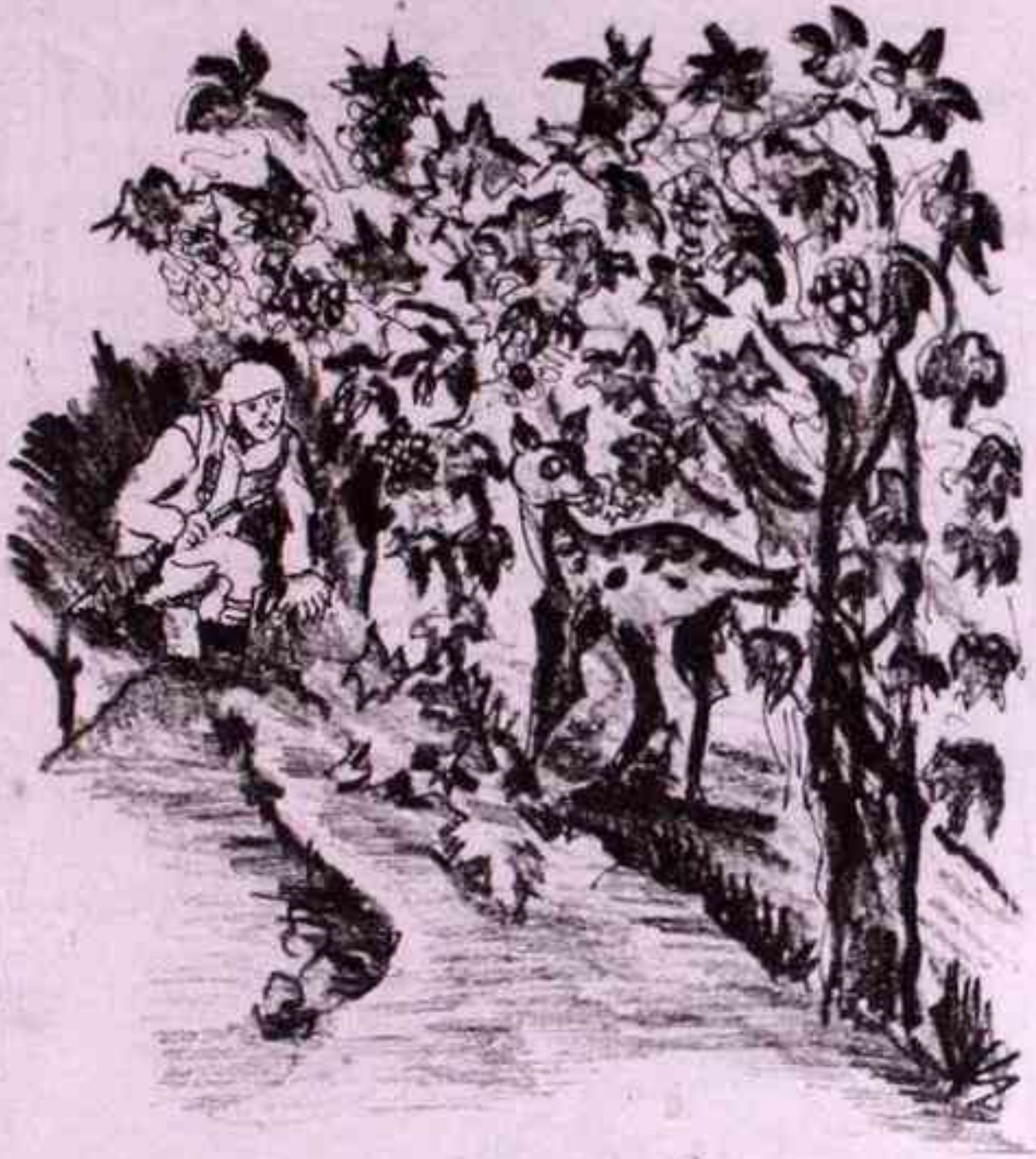
یہ اُس زمانے کا ذکر ہے جب بندوق ایجاد نہیں ہوئی تھی اور لوگ تیر کمان سے شکار کھیلتے تھے۔

ایک دن کچھ شکاری شکار کی تلاش میں جنگل میں پھر رہے تھے کہ

اچانک اُن کی نظر ایک ہرن پر پڑی۔ وہ سب اس کے پیچھے ہو لیے۔ شکاری ہرن کو چاروں طرف سے گھیر رہے تھے اور ہرن اپنی جان بچانے کے لئے تیزی سے بھاگ رہا تھا۔

جب وہ بھاگتے بھاگتے تھک گیا تو ایک گھنی انگور کی بیل کے اندر جا چھُپا۔ شکاریوں نے اُسے بہت تلاش کیا لیکن اُس کا کچھ پتا نہ چلا۔ آخر کار مایوس ہو کر وہ وہاں سے لوٹنے لگے۔

جب کچھ وقت گزر گیا تو ہرن نے سوچا کہ اب خطرہ ٹل گیا ہے — اور وہ بے فکر ہو کر مزے سے اُسی انگور کی بیل کے پتّے کھانے لگا جس میں وہ چھُپا ہُوا تھا۔ ایک شکاری، جو سب سے پیچھے تھا، جب وہاں سے گزرا تو انگور کی بیل اور اس کے گچھوں کو ہلتے دیکھ کر سمجھا کہ یہاں ضرور کوئی چھُپا ہے۔ اس نے تاک کر کئی تیر مارے۔ اتفاق سے ایک تیر ہرن کے جا لگا اور وہ وہیں ڈھیر ہو گیا۔ مرتے ہُوئے ہرن نے اپنے دل میں کہا "اے بدبخت! تیری ناشکری کی یہی سزا ہے۔ مصیبت کے وقت جس نے تجھے پناہ دی اور چھپایا تُو نے اُسی پر ظلم ڈھایا۔"

اتنے میں شکاری بھی وہاں پہنچ گئے۔ کیا دیکھتے ہیں کہ وہی ہرن مرا پڑا ہے۔

بَد ذات بلّی
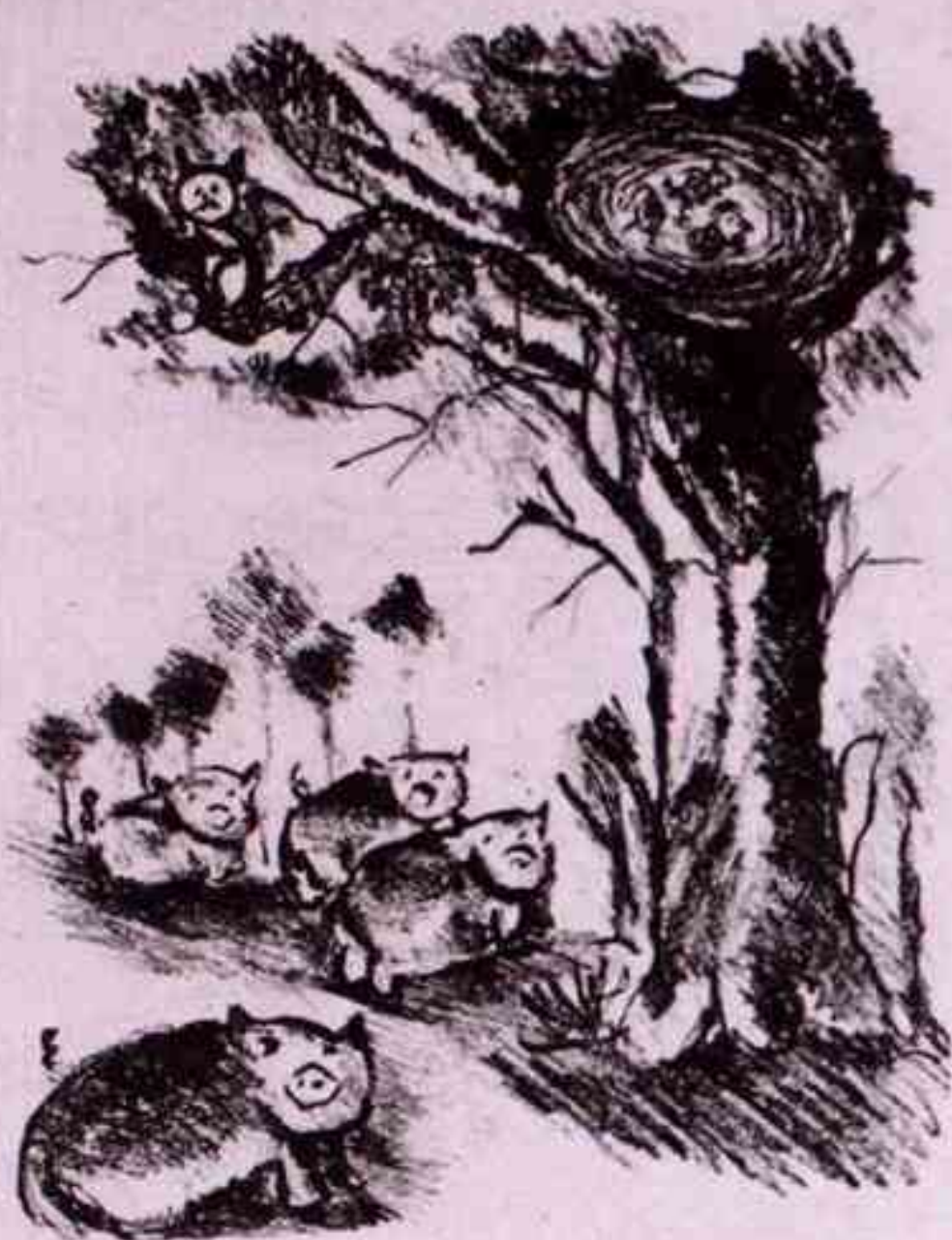
بچّو! یہ اُس گھنے جنگل کا قصّہ ہے جس میں ایک بہت پُرانا، سایہ دار
اُونچا درخت تھا۔ اس درخت کی ایک اُونچی سی شاخ پر عقاب کا گھونسلا
تھا جہاں وہ اپنے چھوٹے چھوٹے بچّوں کے ساتھ آرام سے رہتا تھا۔
اسی درخت کی جڑ میں ایک سُورنی بھی اپنے بچّوں سمیت اطمینان سے

رہتی تھی۔

ایک دن ایک بلّی بھاگتی ہوئی وہاں آئی اور تیزی سے اس درخت پر چڑھ کر، پتوں اور شاخوں میں ٹِک کر بیٹھ گئی۔ بلّی کو وہ گھنا درخت بہت پسند آیا اور وہ بھی اس کے ایک موکھے (بڑے سے سوراخ) میں رہنے لگی۔ کچھ دن بعد اسی موکھے میں اس نے بچّے دیے۔

جب بلّی کو وہاں رہتے رہتے کچھ دن گزر گئے تو بلّی کی نیّت میں فتور آیا اور وہ عقاب کے پاس گئی اور کہا "اے بھائی، اے میرے پڑوسی! ہم پر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بہت جلد بڑی آفت آنے والی ہے۔ ہم سب ہلاک ہو جائیں گے۔ وہ بدذات سُورنی ہمیشہ درخت کی جڑ کھودتی رہتی ہے۔ مَیں سمجھتی ہوں وہ اس درخت کو گرانا چاہتی ہے تاکہ ہمارے بچّے آسانی سے پکڑ کر کھا جائے۔ مَیں نے اسی لئے اپنے گھر سے باہر نکلنا چھوڑ دیا ہے اور ہر وقت گھر میں بیٹھی سُورنی کو دیکھتی اور اپنے بچّوں کی خبرداری کرتی رہتی ہوں۔ اگر مجھے اپنے بچّوں کی حفاظت کے لئے اسی طرح ایک مہینے بھی گھر میں رہنا پڑے تو کوئی مضائقہ نہیں۔ بھائی! میں تو بہت ڈری ہوئی ہوں۔"

عقاب سے یہ بات کر کے بلّی اپنے گھر آگئی اور کچھ دیر بعد نظریں بچا

کر سُورنی کے پاس گئی اور رونی صُورت بنا کر بولی " اے بہن! آج باہر مت جانا۔ مَیں نے عقاب کو اپنے بچّوں سے کہتے سُنا ہے کہ جب یہ سُورنی باہر جائے گی تو مَیں اس کا بچّہ لا کر تم کو کھلاؤں گا۔ مَیں تو خود بہت ڈری ہُوئی ہُوں۔ کہیں عقاب میرا بچّہ ہی نہ لے جائے۔" یہ کہہ کر وہ پیڑ پر چڑھی اور اپنے بچّوں کے پاس چلی گئی۔

اب یہ ہُوا کہ عقاب سُورنی کے ڈر سے اور سُورنی عقاب کے ڈر سے باہر نہ جاتے اور اپنی اپنی جگہ بیٹھے ایک دوسرے کو تاکتے جھانکتے رہتے۔ بلّی بھی دن بھر گھر میں بیٹھی اپنے موکھے سے جھانکتی رہتی لیکن جب رات ہوتی تو وہ چُپکے سے دبے پاؤں باہر جاتی اور اپنے بچّوں کے لئے غذا لے آتی مگر دن کو وہ اپنی جگہ سے نہ ہلتی۔

اسی طرح کئی دن گزر گئے۔ عقاب اور سُورنی کے بچّے بھوک سے ایک ایک کر کے مرنے لگے اور چند ہی دِنوں میں عقاب اور سُورنی بھی بھوک اور پیاس سے مر گئے۔

بِلّی نے جب دیکھا کہ وہ سب ہلاک ہو گئے ہیں تو اس نے ان سب کو ایک ایک کر کے خود بھی کھایا اور اپنے بچّوں کو بھی کھلایا۔

دو چُوہے

بچّو! یہ دو چُوہوں کی کہانی ہے جو ایک دوسرے کے بہت دوست تھے۔ ایک چُوہا شہر کی ایک حویلی میں بِل بنا کر رہتا تھا اور دوسرا پہاڑوں کے درمیان ایک گاؤں میں رہتا تھا۔ گاؤں اور شہر میں فاصلہ بہت تھا اس لئے وہ کبھی کبھار ہی ایک دوسرے سے ملتے۔ ایک دِن جو مُلاقات ہُوئی تو گاؤں کے چُوہے نے اپنے دوست شہری چُوہے سے کہا کہ "بھائی ہم دونوں ایک دوسرے کے گہرے دوست ہیں، کسی دِن میرے گھر تو آیئے اور ساتھ کھانا کھایئے۔"

شہری چُوہے نے اس کی دعوت قبول کر لی اور مقرّرہ دن وہاں پہنچ گیا۔ گاؤں کا چُوہا بڑی عِزّت سے پیش آیا اور اپنے دوست کی خاطر مدارات میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ کھانے میں مٹر، گوشت کے ٹکڑے، آٹا، پنیر اور میٹھے میں پکّے سیب کے تازہ ٹکڑے اس کے سامنے لا کر رکھے۔ اس کا دوست ـــــ شہری چُوہا کھاتا رہا اور وہ خُود اس کے پاس بیٹھا میٹھی میٹھی باتیں کرتا رہا۔ اس اندیشے سے کہ کہیں مہمان کو کھانا کم نہ پڑ جائے وہ خود گیہوں کی بال منہ میں لے کر آہستہ آہستہ چباتا رہا۔

جب شہری چوہا کھا چکا تو اس نے کہا کہ "اے یار جانی! اگر اجازت ہو تو میں کچھ کہوں؟"

گاؤں کے چوہے نے کہا "کہو بھائی کیا بات ہے؟"

شہری چوہے نے کہا: "بھائی! تم ایسے خراب اور گندے بِل میں کیوں رہتے ہو؟ اس جگہ میں نہ صفائی ہے اور نہ رونق۔ چاروں طرف پہاڑ، ندی اور نالے ہیں۔ دُور دُور تک کوئی نظر نہیں آتا۔ تم کیوں نہ شہر میں چل کر رہو۔ وہاں بڑی بڑی عمارتیں ہیں۔ سرکار دربار ہیں۔ صاف ستھری روشن سڑکیں ہیں، کھانے کے لئے طرح طرح کی چیزیں ہیں۔ آخر یہ دو دن کی زندگی ہے، جو وقت ہنسی خوشی اور آرام سے گزر جائے وہ غنیمت ہے۔ بس اب تم میرے ساتھ چلو۔ دونوں پاس پاس رہیں گے۔ باقی زندگی آرام سے گزرے گی۔"

گاؤں کے چوہے کو اپنے دوست کی باتیں اچھی لگیں اور وہ شہر چلنے پر راضی ہو گیا۔ شام کے وقت چل کر دونوں دوست آدھی رات کے قریب شہر کی اُس حویلی میں جا پہنچے جہاں شہری چوہے کا بِل تھا۔ حویلی میں ایک ہی دن پہلے بڑی دعوت ہوئی تھی جس میں بڑے بڑے افسر، تاجر، زمیندار، وڈیرے اور وزیر شریک ہوئے تھے۔ وہاں پہنچے تو دیکھا کہ حویلی کے نوکروں نے اچھے اچھے کھانے
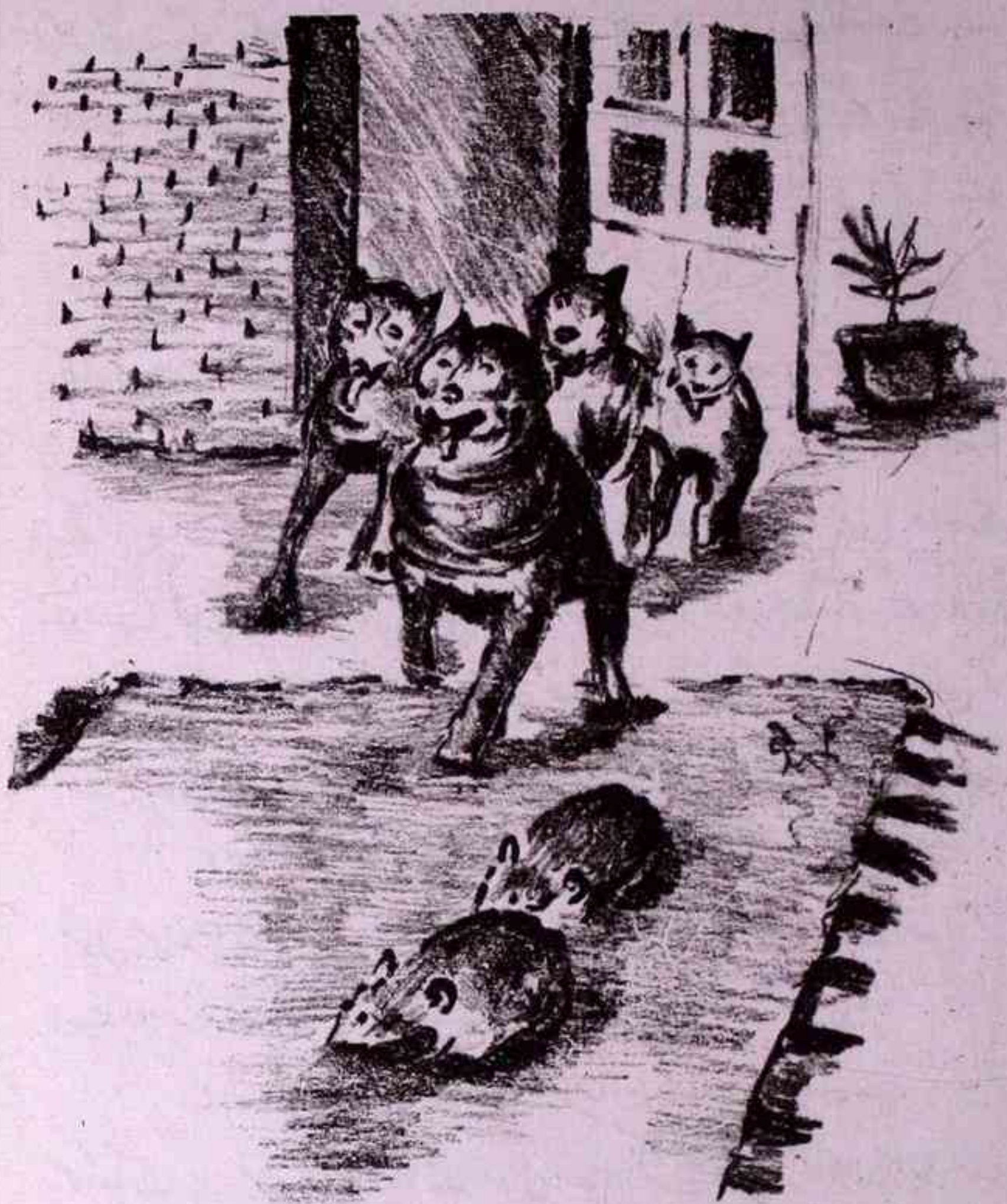
کھڑکیوں کے پیچھے چھپا رکھے ہیں۔ شہری چُوہے نے اپنے دوست ـــــ گاؤں کے چوُہے، کو ریشمی ایرانی قالین پر بٹھایا اور کھڑکیوں کے پیچھے چھپے ہُوئے کھانوں میں سے طرح طرح کے کھانے اس کے سامنے لا کر رکھے۔ مہمان چوُہا کھاتا جاتا اور خوش ہو کر کہتا جاتا کہ "واہ یار! کیا مزے دار کھانے ہیں۔ ایسے کھانے تو میں نے خواب میں بھی نہیں دیکھے تھے"!

ابھی وہ دونوں قالین پر بیٹھے کھانے کے مزے لُوٹ ہی رہے تھے کہ یکایک کسی نے دروازہ کھولا۔ دروازے کے کھُلنے کی آواز پر دونوں دوست گھبرا گئے اور جان بچانے کے لئے اِدھر اُدھر بھاگنے لگے۔ اتنے میں دو کُتّے بھی زور زور سے ایک ساتھ بھونکنے لگے۔ یہ آواز سُن کر گاؤں کا چُوہا ایسا گھبرایا کہ اس کے ہوش وحواس اُڑ گئے۔

ابھی وہ دونوں ایک کونے میں دُبکے ہُوئے بیٹھے تھے کہ بِلّیوں کے غُرّانے کی آواز سُنائی دی۔ گاؤں کے چُوہے نے گھبرا کر اپنے دوست ـــــ شہری چُوہے، سے کہا:

"اے بھائی! اگر شہر میں ایسا مزہ اور یہ زندگی ہے تو یہ تم کو مُبارک ہو۔ میں تو باز آیا۔ ایسی خوشی سے تو مجھے اپنا گاؤں، اپنا گندہ بِل اور مٹر کے دانے ہی خوب ہیں"!

بچّوں کا ادب ایک نظر میں